شاہد حسین رزاقی

خلافت

انسانی معاشرہ کی اصلاح و ترقی کا مؤثر ترین عملی ذریعہ حکومت ہے اور اسلام نے جو سیاسی نظام قائم کیا ہے اس میں حکومت کی اس اہمیت کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ یہ حکومت اسلام کے مقاصد کو روبہ عمل لانے اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل کرنے میں اپنا فرض بخوبی انجام دے سکے۔ اسلامی معاشرہ کی وہ بنیادی خصوصیت جو اس معاشرہ کو دوسرے تمام معاشروں سے میز و ممتاز کرتی ہے اللہ تعالےٰ کی وحدت و اقتدار کا ہمہ گیر تصوّر ہے۔ اور مقتدرِ اعلیٰ کا یہ تصوّر اسلامی حکومت کی نوعیّت، ساخت، مقاصد اور فرائض و اختیارات پر بُنیادی طور سے اثر انداز ہوا ہے۔ اس تصوّر کے تحت اسلام نے جو مخصوص نظامِ حکمرانی مرتب کیا ہے اس کے مفہوم کو پوری طرح واضح کرنے کے لئے ایک نئی سیاسی اصطلاح "خلافت" استعمال کی گئی ہے۔ خلافت کا مطلب ہے نیابتِ الٰہی یعنی دستورِ ربانی کے مطابق زمین پر حکمرانی۔

مقصد اور استحقاق۔ قرآن پاک میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ میں روئے زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِھِمْ لِنَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ۔ پھر ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ بنایا۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح حقِ خلافت ادا کرتے ہو۔

یعنی اللہ تعالےٰ نے اپنے احکام کو عملی شکل دینے کے لئے روئے زمین پر اپنا نائب مقرر کرنے کا قصد فرمایا اور اس تقرر کے بعد مقصدِ خلافت کو پورا کرنا ہی خلیفہ کا بنیادی فرض قرار پایا۔ چونکہ خلیفہ خود حقیقی حاکم نہیں بلکہ مقتدرِ اعلیٰ کا نائب ہوتا ہے اس لئے اس کا فرضِ منصبی قانونِ الٰہی کا نفاذ ہے۔ چنانچہ خلیفہ کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ قانونِ الٰہی کا نہ صرف حامل ہو بلکہ اس قانون کو نافذ کرکے وہ بنیادی شرط بھی پوری کرے جو اس کو خلافت جیسی فضیلت کا مستحق بناتی ہے۔

خلافتِ آدم کے ضمن میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ آدمؑ منصبِ خلافت ربّانی سے سرفراز کئے گئے۔ اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اولادِ آدم خلافت کی مستحق ہے۔ لیکن چونکہ یہ استحقاق مشروط ہے یعنی اس قانون پر ایمان لانا لازمی ہے جس کو نافذ کرنے کے لئے خلافت قائم کی گئی ہے اس لئے قانونِ الٰہی کی حامل اُمت ہی خلافت کی مستحق قرار پاتی ہے لیکن ایمان کی بنا پر حاصل شدہ استحقاق نظری ہے۔ اور یہ عملی شکل اسی وقت اختیار کرتا ہے جب کہ قانونِ الٰہی کی حامل اُمت اس قانون پر عمل پیرا بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ خلافتِ الٰہی سے جو عملی فوائد حاصل ہو سکتے

ہیں وہ اسی وقت حاصل ہونگے جب احکام الٰہی پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ عمل سے خالی ایمان ناقص ہوتا ہے اور اس سے عملی فوائد بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ قرآن پاک میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ۔ — اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ تم میں سے جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اچھے کام کئے ہیں ان کو زمین پر خلیفہ بنائے گا۔

یعنی ایمان کے ساتھ نیک اعمال کی بھی ضرورت ہے۔ اور خلافت کو عمل سے مشروط کرنا اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کا فرض منصبی احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔ اور نیابتِ الٰہی کے فوائد و برکات سے استفادہ کے لئے عمل ایک بنیادی شرط ہے۔ چنانچہ کوئی حکومت جس حد تک قانونِ الٰہی پر عمل کریگی اس کی نوعیت اسی قدر اسلامی ہوگی۔

اجتماعی فضیلت۔ خلافت یا نیابتِ الٰہی انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی فضیلت ہے۔ جو قانونِ الٰہی کی حامل اُمت کو حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ حکمرانی کا اسلامی تصوّر بھی انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔ اور خلافت عمومی خلافت ہے۔ یعنی مقتدر اعلیٰ کا عطا کردہ اختیارِ حکمرانی بحیثیتِ مجموعی تمام مومنوں پر مشتمل ملت کو حاصل ہوتا ہے۔ افرادِ ملت اپنا یہ اختیار خلیفہ کے تفویض کردیتے ہیں تاکہ ایک ایسی تنظیم قائم ہو جائے جو قانونِ الٰہی کو روبہ عمل لاسکے اور اس قانون کے مطابق انسانی معاشرہ کی اصلاح کی جاسکے۔ اس نظام میں حاکم و محکوم میں تفریق نہیں بلکہ ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اسلامی مملکت میں جس مقصد کے حصول کے لئے حکومت قائم ہوتی ہے وہ راعی اور رعایا دونوں کا مشترکہ نصب العین ہے۔ اور اس کے لئے ہر فرد با اختیار اور ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ:

کلکم راعٍ وکل راعٍ مسئولٌ عن رعیتہٖ۔ — تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

اختیار و ذمہ داری کا یہ تصوّر اسلام کے سیاسی نظام میں بھی کارفرما ہے اور اسلامی معاشرہ کا ہر فرد اختیارِ حکومت میں شریک اور فرائض حکومت کی بخوبی انجام دہی میں مدد دینے کا ذمہ دار ہے۔ چنانچہ رسولِ کریم نے مدینہ کی مملکت کا جو پہلا دستور بنایا تھا اس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ جملہ مسلمانوں کے حقوق و واجبات یکساں ہونگے۔ فرد اور مملکت میں حقوق و فرائض اور نصب العین کا اشتراک حاکم و محکوم میں مقاصد و مفاد کی یکسانی اور یک جہتی و ہم آہنگی پیدا کر دیتا ہے اور اجتماعی خلافت کے نظریہ پر مبنی حکومت درحقیقت جمہوریت کی ایک اعلیٰ اور ترقی یافتہ شکل ہے۔

انتخابی نوعیت۔ اسلامی خلافت جمہوری اور انتخابی ہے۔ موروثی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ خلیفہ کا اختیار

حکومت اس کا موروثی استحقاق نہیں ہوتا۔ بلکہ ملت کا تفویض کردہ ہوتا ہے اور ملت اس کو معینہ فرائض کی انجام دہی کے لئے منتخب کرتی ہے۔ چنانچہ خلیفہ کا تقرر نہ صرف انتخابی ہے بلکہ مشروط بھی ہے۔ اور اگر وہ شرائط انتخاب کو نظرانداز کرکے خودسری سے کام لے تو اس کو معزول کیا جا سکتا ہے۔ اسلام نے افرادِ ملت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اس شخص کو خلیفہ منتخب کریں جو ایمانداری کے ساتھ اس اہم عہدہ سے متعلق فرائض کی انجام دہی کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہو۔ لیکن ملت کے تمام افراد کو خلیفہ کے انتخاب کا حق دینے کے ساتھ ہی ان پر یہ ذمہ داری بھی عائد کی ہے کہ وہ اس اختیار کا صحیح استعمال کریں اور اگر اس کے استعمال میں حق و صداقت اور رضائے الٰہی کے سوا انہوں نے کسی اور جذبہ کے تحت عمل کیا تو وہ اس مقتدرِ اعلیٰ کے سامنے جواب دہ ہونگے جس کی اطاعت و وفاداری ان کا فرضِ اوّلین ہے اور جو ان کی نیت سے بخوبی واقف ہے۔

حاکم کی حیثیت۔ خلافت درحقیقت حکمرانی کا ایک ایسا تصور ہے جو حکومت کی دوسری تمام قسموں سے مختلف ہے۔ صدر حکومت یعنی خلیفہ دستور و قانون کا تابع جمہوری حاکم ہے۔ اور اسکی بحالی یا معزولی کا انحصار دستور پر ہے۔ اسلامی مملکت دستوری ہے اور خلیفہ دستور کا پابند ہے۔ دستور کے مطابق عمل کرنے کے لئے وہ ایک طرف تو مملکت کے مقتدرِ اعلیٰ کو جوابدہ قرار دیا گیا ہے جس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اور دوسری طرف عوام کے سامنے جوابدہ ہے۔ خلیفہ جب تک دستور کے مطابق عمل کرتا رہے گا اس کی حیثیت بہت مستحکم ہوگی۔ اور اسے وسیع اختیارات بھی حاصل ہونگے۔ تاکہ وہ احکام الٰہی کو روبہ عمل لانے کا فرض پورا کرسکے جو خلافت کا بنیادی مقصد ہے۔ اور اگر خلیفہ دستور کی خلاف ورزی اور احکامِ الٰہی کے منشا کو نظرانداز کرکے خودسری و مطلق العنانی سے کام لے گا تو وہ منصب خلافت کا مستحق نہیں رہے گا اور اس کو خلافت سے معزول کردینا ضروری ہوگا۔ اگر خلیفہ پر دستور کی خلاف ورزی کا الزام عائد کیا جائے تو اس کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ ملت یا اس کی نمایندہ مجلس کے سامنے اپنی بے گناہی کا ثبوت دے اور الزام کی تردید کرے لیکن الزام ثابت ہونے کی شکل میں ملت ایک مناسب طریقِ عمل کے مطابق اس کو معزول کرسکے گی۔

خلیفہ نہ تو آمروں اور جابروں کی طرح ملت کو اپنا غلام بنا سکتا ہے اور نہ جدید مغربی جمہوریت کے صدر کی طرح محض اکثریت کا محتاج اور آلۂ کار ہوتا ہے۔ خلیفہ کے حقوق و فرائض دونوں متعین ہیں۔ نہ تو اس کے حقوق پامال کئے جا سکتے ہیں اور نہ وہ فرائض سے بے اعتنائی برت سکتا ہے۔ اسلامی مملکت میں حصولِ اقتدار کے لئے حاکم اور محکوم کے درمیان کش مکش کے بجائے اتحادِ عمل پایا جاتا ہے۔ کیونکہ خلیفہ کے مقاصد و مفاد رعایا کے مقاصد و مفاد سے متصادم نہیں۔ بلکہ ان میں یکسانی و ہم آہنگی ہے اور مشترکہ

نصب العین کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں دونوں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔

نظریۂ اطاعت۔ اسلامی مملکت میں خلیفہ کی حاکمانہ حیثیت کا اندازہ قرآن پاک کی اس آیت سے بخوبی ہو سکتا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ مومنو! اللہ کی اطاعت کرو۔ رسول کی اطاعت کرو۔ اور تم میں سے جو لوگ حاکم ہوں ان کی اطاعت کرو۔

اللہ اسلامی مملکت کا مقتدرِ اعلیٰ ہے اور اس کی اطاعت فرضِ اولیں ہے۔ اللہ کے بعد رسولؐ کی اطاعت لازمی ہے۔ رسولؐ جس اطاعت کے طلب گار ہیں وہ درحقیقت اللہ کے احکام کی اطاعت ہے۔ اور اس طرح رسول کی اطاعت بھی دراصل اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن نے بھی رسولؐ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کے مترادف قرار دیا ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ اور جو رسول کی اطاعت کریگا اس نے اللہ کی اطاعت کی

اب رہا حکام کی اطاعت کا سوال تو اس کا درجہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے بعد ہے۔ اور حکام کی اطاعت اسی صورت میں لازم ہے جب کہ ان کی اطاعت کرنا جائز ہو یعنی جب حکام احکامِ الٰہی پر عمل پیرا اور ان احکام کے مطابق اطاعت کے طلب گار ہوں۔ حکام کی اطاعت پر خدا اور رسول کی اطاعت کو ترجیح حاصل ہے اور قرآن نے ایسے انسانوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے جو اپنی نہیں بلکہ احکامِ الٰہی کی اطاعت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کیونکہ انسانی خواہشات کی اطاعت خطرات سے خالی نہیں۔ اور قرآن نے بھی یہ واضح کر دیا ہے کہ دنیا کے اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی ان کی اطاعت کرے تو وہ اس کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے کافروں، منافقوں، گناہ گاروں اور رسولؐ کو جھٹلانے والوںؐ کی اطاعت کرنے سے روکا ہے۔ اور واضح طور پر ہر ایسے شخص کی اطاعت سے منع کیا ہے "جس کا دل اللہ کی یاد سے غافل ہے اور جو خواہشاتِ نفس کا پیرو ہے"۔

اس میں شک نہیں کہ نظم و نسق کی برقراری کے لئے حاکم کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ اور قرآن نے بھی اس کا حکم دیا ہے۔ لیکن اسلامی حکومت چونکہ مطلق العنان نہیں بلکہ دستوری ہے۔ اس لئے حاکم کی اطاعت کو دستور کی پابندی سے مشروط کر دیا گیا ہے تاکہ اسلامی حکومت خودسری و مطلق العنانی کی شکل اختیار نہ کر سکے۔ معاشرہ کو بدامنی اور فتنہ و فساد سے محفوظ رکھنے کے لئے رسولِ کریمؐ نے حاکم کی اطاعت پر بہت زور دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ:

لا طاعۃ لمن عصی اللہ۔ اللہ کے نافرمان کی اطاعت نہ کی جائے۔

لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ — جس بات کے ماننے میں خدا کی نافرمانی ہو اس میں کسی بندہ کی فرماں برداری مت کرو۔

حکومت و اطاعت کا یہی وہ تصور ہے جس کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں یہ فرمایا تھا کہ "اگرچہ میں تمہارا امیر منتخب ہؤا ہوں لیکن میں تم میں سے کسی سے بھی افضل تر نہیں۔ اگر تم مجھے صحیح طریقہ پر کام کرتے پاؤ تو میری حمایت کرو۔ اور اگر میں غلطی کروں تو میری اصلاح کرو۔ تم میری اطاعت اسی وقت کرو جب تک کہ میرے احکام، احکامِ الٰہی کے مطابق ہوں۔ لیکن اگر میں احکامِ الٰہی کے خلاف عمل کروں تو تم میری اطاعت نہ کرو۔" اور جب حضرت عمرؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ "اگر تم مجھے غلطی کرتے دیکھو تو تلوار تک سے مجھے سیدھا کر دو۔ تمہارا فرض اپنی رائے ظاہر کرنا اور میرا فرض تمہاری رائے سننا ہے۔" حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے عظیم المرتبت خلفاء کے یہ خیالات اسلامی حکومت کی جمہوری و دستوری نوعیت اور حاکم و محکوم کے اسلامی تصور کو بخوبی واضح کر دیتے ہیں۔

حاکم کی اطاعت سے متعلق مذکورۂ بالا آیت کے مضمرات پر غور کیا جائے تو یہ ظاہر ہو گا کہ حاکم یا اولوالامر نہ صرف دستور کا پابند ہے بلکہ اس کا مومن اور مومنوں میں سے یعنی منتخب شدہ ہونا بھی ضروری ہے۔ گویا کہ خلافت انتخابی اور جمہوری ہے۔ اور خلیفہ کو منتخب کرنے کا حق یعنی حق رائے دہی پوری ملت کو حاصل ہے جس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ کیونکہ اس آیت کے مخاطب تمام مومن ہیں۔ نیز حاکم جو خدا و رسول کا تابع ہے ایسے احکام و قوانین نافذ نہیں کر سکتا جو احکامِ الٰہی کے مقصد و منشا کے خلاف ہوں۔

قانون کی برتری۔ اسلامی مملکت میں حاکم نہ صرف دستور کا تابع ہے بلکہ قانون کا بھی پابند ہے۔ اور قانون و عدالت کو برتری و آزادی حاصل ہے۔ عدالت کی نظر میں خلیفہ کی حیثیت بھی دوسروں کے مساوی ہے اور اس قانونی مساوات کا احترام کرنا خلیفہ پر لازم ہے۔ عدالت کی برتری اور قانونی مساوات کا اسلامی اصول اتنی مستحکم بنیادوں پر قائم ہے کہ حکومت کے اسلامی تصورات سے دور ہو جانے کے بعد بھی مسلمان حکمران اس کا احترام کرتے رہے اور مطلق العنان بادشاہوں تک نے عدالت میں حاضر ہو کر جواب دہی کی۔ قانون کی پابندی کے علاوہ اختیاراتِ عاملہ کو صحیح طور سے استعمال کرنے کی بھی پابندی ہے۔ اور اگر ان کا استعمال ناجائز طریقہ پر کیا جائے تو حاکم کو عوام کے سامنے جوابدہ قرار دیا گیا ہے۔ عوام کو حکومت پر تنقید کرنے کا جمہوری حق و آزادی حاصل ہے۔ اور دستور کی خلاف ورزی کرنے کی پاداش میں حاکم کو معزول کیا جا سکتا ہے۔ اختیارِ حکمرانی کے صحیح استعمال اور فرائضِ منصبی کی بخوبی تکمیل نیز مطلق العنانی کے انسداد کے پیشِ نظر قرآن

نے خلیفہ کے لئے امورِ مملکت میں اربابِ حل و عقد سے مشورہ کرنا بھی ضروری قرار دیا ہے۔

امارت اور امانت۔ خلیفہ کی حاکمانہ حیثیت کے ضمن میں اس بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ خلیفہ حکومت و اقتدار کا مالک نہیں بلکہ امین ہے۔ ملت حصول مقاصد کے لئے اپنا اختیار خلیفہ کے تفویض کرتی ہے اور یہ مفوضہ اختیار اس کے پاس ایک ایسی امانت ہوتا ہے جس کا احترام کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ خلیفہ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد اور خودغرضانہ مفاد حاصل کرنے کے لئے یہ اختیار استعمال نہیں کرسکتا۔ بلکہ اس کا استعمال انہی مقاصد کے تحت ہونا چاہئے جن کا حصول خلیفہ کا فرضِ منصبی ہے۔ امانت کا یہ تصوّر حکومت کی آمدنی اور قومی دولت پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اسلامی مملکت میں سرکاری خزانہ اور قومی دولت ملّت کی مشترکہ ملکیّت ہے اور خلیفہ خزانوں کا مالک نہیں بلکہ ان کا محافظ و امین ہے۔ چنانچہ وہ اس دولت کو ذاتی عیش و عشرت یا من مانے طریقہ پر صرف نہیں کرسکتا۔ بیت المال یا حکومت کی آمدنی میں دوسرے اشخاص کی طرح خلیفہ کا حصّہ بھی مقرر ہے۔ اور وہ اس سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ مطلق العنان حکمرانوں کی طرح سرکاری خزانہ کو اپنی ملکیّت سمجھنے اور اس کو من مانے لٹانے کے بجائے اس کو قوم کی ملکیت سمجھنا اور اس قومی امانت کو خیانت سے محفوظ رکھنا اس کا فرض ہے۔ قومی خزانہ کو امانت اور ملّت کی مشترکہ ملکیت سمجھنے ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس بحیثیت امیر کے جو تین چیزیں تھیں یعنی ایک اونٹنی، ایک پیالہ اور ایک چادر، وہ ان کی وصیت کے مطابق ان کے جانشین کے حوالے کردی گئیں۔ اور حضرت عمرؓ نے یہ تک گوارا نہ کیا کہ اپنی ضرورت کے لئے بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لیتے۔ دیانت و امانت داری کی یہ مثالیں موجودہ ترقی یافتہ جمہوری دَور میں بھی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن خلافتِ راشدہ میں اسلامی جمہوریت کے تصوّرات اس حد تک حقیقی اور عملی تھے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ جیسے باعظمت حاکم پر اجتماعِ عام میں یہ اعتراض کردیا کہ انھوں نے اپنا کُرتا بنانے کے لئے زیادہ کپڑا لے لیا اور حضرت عمرؓ نے ثبوت کے ساتھ اس شخص کو یہ جواب دیا کہ انھوں نے جو کپڑا لیا وہ دوسرے مسلمانوں کے حصّہ سے زیادہ نہیں تھا۔

حکمرانی کا معیار۔ اسلام نے حاکم کے حقوق و فرائض اور اختیارات کا تعیّن کردیا ہے۔ اور حکومت کے جائز اور اسلامی ہونے کا معیار یہی اصول ہیں۔ ان اصولوں پر عمل کرنا حاکم اور محکوم دونوں کے لئے لازمی ہے۔ اور احکامِ الٰہی کی پابندی ہی وہ بنیادی تصوّر ہے جو ان دونوں میں اختلاف و تصادم کے بجائے اشتراک و ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ رسولِ کریمؐ نے بھی حاکم کے اچھے اور بُرے ہونے کا معیار یہ قرار دیا ہے کہ:

خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم	تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم اور تم جن سے
وتصلون علیھم ویصلون علیکم وشرار	محبت رکھتے ہوں۔ اور تم انھیں اور وہ تمہیں دُعائے خیر سے

ائمتکم الذین تبغضونهم ویبغضونکم و تلعنونهم یلعنونکم۔

یاد کرتے ہوں۔ اور بدترین امام وہ ہیں جن سے تم اور جو تم سے بغض رکھتے ہوں اور جن پر تم اور جو تم پر لعنت و ملامت کرتے رہتے ہیں۔

خدا پرست اسلامی جمہوریت کے سربراہ کا فرضِ منصبی خدمت و ہدایت ہے۔ ملّت کا سردار اس کا خادم ہے۔ اور حکمرانی کے اسی تصوّر کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :

ما من اُمتی احد ولی من امر الناس شیئاً لم یحفظھم بما یحفظ بہ نفسہ و اھلہ الا لم یجد رائحۃ الجنۃ۔

میرا جو اُمتی کہیں کا امیر بننے کے بعد لوگوں کی اسی طرح نگہداشت نہ کریگا جس طرح وہ اپنی یا اپنے بال بچّوں کی نگہداشت کرتا ہے تو وہ جنّت کی خوشبو تک نہ سونگھ سکے گا۔

رعایا کی نگہداشت کا یہی وہ معیار ہے جس پر پورا اُترنے کے لئے حضرت عمرؓ نے کوئی کوشش نہ اُٹھا رکھی تھی اور ایک غریب گھرانے کے بچّوں کی بھوک کو اپنی ہلاکت کا اور ان کا پیٹ بھرنے کے لئے آٹے کی بوری خود اپنی پیٹھ پر لے جانے کو اپنی نجات کا باعث تصوّر کرتے تھے۔

اسلام کی بنیادی حقیقتیں

مصنّفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

قیمت دو روپے ۸/

افکارِ غزالی

مصنفہ محمد حنیف ندوی

قیمت پانچ روپے

اسلام اور رواداری

مصنّفہ رئیس احمد جعفری

قیمت چھ روپے

مقامِ انسانیت

مصنّفہ مظہرالدین صدیقی

قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ

ادارہ ثقافت اسلامیہ ۔ کلب روڈ ۔ لاہور